ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.3 2021

اختلاف رائے کے آداب کا فروغ: اسلامی ریاست کے کردار کا تجزیہ

PROMOTION OF THE ETIQUETTES FOR DISAGREEMENT: AN ANALYSIS OF THE ROLE OF THE ISLAMIC STATE

☆شاہد اسحاق

☆☆ڈاکٹر محمد ریاض محمود

Abstract

This research paper contains an analysis of the role of the Islamic State in promoting various etiquettes of dissent in the academic field. Of course, the presence of different elements and opportunities for disagreement in any matter of understanding and guidance helps to find new avenues of mental and culural development. Many misunderstandings can be cleared up and various fields of knowledge and thought can be expanded if the differences of opinion are ensured and respect for etiquette, decency and other ethical principles is ensured. The role of various state institutions, including the legislature, administration, judiciary, universities, religious education institutes and advisory academies, is of paramount importance in developing the ethics of dissent. The state can make this great goal possible by keeping an account of the formation of these institions and the various stages of their functioning. This research paper has been written to review the specific role of the Islamic State.

Keywords: *Academic Field, Difference of Opinion, Disagreement, Ethics, Etiquettes, Islamic State, Universities.*

1-موضوع تحقیق کا تعارف، اہمیت اور پس منظر:

یہ تحقیقی مضمون علمی میدان میں اختلاف کے اظہار کے مختلف آداب کی ترویج کے ضمن میں اسلامی ریاست کے کردار کے تجزیہ پر مشتمل ہے۔یقیناً فہم وشعور اور رہنمائی کے کسی بھی معاملہ میں اختلاف کے مختلف عناصر ومواقع کی موجودگی سے ذہنی وتہذیبی ترقی کی نئی نئی راہیں تلاش کرنے میں مدد ملتی ہے۔

☆ریسرچ سکالر، پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

☆☆ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

Vol. 5 No.3 2021

اگر اختلاف رائے کو بیان کرتے ہوئے سلیقہ مندی، شائستگی اور دیگر اخلاقی اصولوں کی پاسداری کو یقینی بنایا جائے تو بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکتا ہے اور علم و فکر کے مختلف شعبہ جات میں وسعت آسکتی ہے۔ اختلاف رائے کی اخلاقیات کو ترقی دینے میں مقننہ، انتظامیہ، عدلیہ، جامعات، دینی تعلیم کے اداروں اور مشاورتی تنظیموں سمیت مختلف ریاستی اداروں کا کردار غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ ریاست ان اداروں کی تشکیل اور ان کی کارکردگی کے مختلف مراحل پر احتسابی نظر رکھ کر اس عظیم مقصد کے حصول کو ممکن بنا سکتی ہے۔ اسلامی ریاست کے اسی مخصوص کردار کا جائزہ لینے کے لیے یہ تحقیقی مضمون تحریر کیا گیا ہے۔ اختلاف کا پایا جانا ایک فطری عمل ہے جس سے کسی بھی صورت بچنا ممکن نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ[1]" کائنات میں غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو دوسرے سے مختلف بنایا ہے، اسی طرح انسانوں کے کھانوں میں، لباس میں، سوچ میں، رنگ و نسل اور زبانوں میں اختلاف پایا جاتا ہے، چنانچہ فرمایا: (وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِلْعَالِمِينَ[2]۔ اور زمین و آسمانوں کو پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا مختلف ہونا اس کی نشانیوں میں سے ہے، بے شک اس میں دونوں جہان والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔) تمام انسان ایک آدم کی اولاد ہیں اور عموماً اولاد کا رنگ و زبان اپنے والد کی جیسی ہی ہوتی ہے جیسا کہ ہم کوئی سانچا تیار کرتے ہیں اور اس سانچے سے ایک ہی قسم کی چیز تیار کرتے ہیں لیکن اللہ کی قدرت ہے کہ ایک ہی سانچے سے تیار شدہ مخلوق کے اندر کتنا اختلاف رکھ دیا۔ جب کائنات کی ہر چیز کے اندر اختلاف ہے اور انسان بھی رنگ، زبان، سوچ و فکر کے لحاظ سے مختلف ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک گھر، بستی، معاشرہ، ملک و قوم کے اندر بھی اختلاف پایا جائے گا لیکن ان اختلافات کو حل کرنے کی چند حدود و قیود اور ضوابط ہیں جن کے اوپر عمل کرنا ضروری ہے اور اگر عمل نہ کیا جائے تو اختلافات جنگ و جدل میں بدل جاتے ہیں، لہذا ان اختلافات کو کیسے حل کیا جائے اس ضرورت کے پیش نظر اس مضون کو پانچ اجزاء میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے جزو میں موضوع تحقیق کا تعارف، اہمیت اور پس منظر ذکر کیا گیا ہے۔ دوسرے جزو میں اختلاف رائے کا مفہوم، اقسام اور فوائد بیان کیے گے ہیں۔ تیسرے جزو میں اختلاف رائے کے اسباب ذکر کیے گے ہیں۔ چوتھے جزو میں اختلاف رائے کے آداب کا فروغ اور اسلامی ریاست کا کردار ذکر کیا گیا ہے۔ پانچویں جزو میں خلاصہ بحث ذکر کیا گیا ہے۔

یہ موضوع بہت اہمیت کا حامل ہے کیوں کہ رائے کا مختلف ہونا ایک فطری عمل ہے اور اگر اس کی اخلاقیات کو نظر انداز کر دیا جائے اور اس کی حدود کا پاس نہ رکھا جائے تو معاشرے کے اندر فساد اور بگاڑ کا پیدا ہونا اس کا لازمی نتیجہ ہوگا جس سے لوگوں کی زندگیاں اجیرن بن جاہیں گی ایسے میں ریاست کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنا کردار ادا کرے اور ایسے اقدامات کرے کہ لوگ اختلاف رائے کے موقع پر اپنی حدود سے تجاوز نہ کریں جس سے لوگوں کی جان، مال اور عزت و آبرو خطرے میں پڑ جائے۔

---

[1] ہود:18

[2] الروم:22

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.3 2021

اس موضوع کے تحت پاکستانی معاشرے کے موجودہ حالات کو سامنے رکھتے ہوئے اختلاف رائے کے دوران افراط و تفریط سے بچنے کے لیے اسلامی ریاست کی ذمہ داریوں اور اختیارات کے حوالہ سے تجزیہ پیش کیا جائے گا کہ اختلاف رائے کا معنی و مفہوم کیا ہے؟ اختلاف رائے کے اسباب کیاہیں؟ اختلاف رائے کی اخلاقیات کیاہیں؟ اور اختلاف رائے کی صورت میں ریاست کا کردار اور اقدامات کیا ہونے چاہیں؟

اس عنوان پر اس سے پہلے بھی مختلف جہات سے کام ہوچکا ہے جن میں اختلاف رائے کے آداب اور اسباب کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے مثلاً ارشاد الحق اثری صاحب کی کتاب" اسباب اختلاف الفقہاء"، ڈاکٹر سلیمان فہد عودہ کی کتاب "اختلاف رائے آداب واحکام" ، دکتورطہ جابر فیاض علوانی کی کتاب "ادب اختلاف فی الاسلام"، مولانا مفتی شفیع صاحبؒ کی کتاب "وحدت امت" ، محمد عوامہؒ کی کتاب "ادب الاختلاف فی مسائل العلم والدین" ، ڈاکٹر شیخ ناصر بن سلیمان کتاب "الاختلاف فی العمل الاسلامی: الاسباب والآثار" اور حضرت شاہ ولی اللہ دھلویؒ کی کتاب "الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف" لیکن اس موضوع کے تحت ریاست کے کردار اور ذمہ داریوں کے حوالہ سے کوئی تحقیقی رسالہ نظر سے نہیں گزرا۔

2-اختلافِ رائے کا مفہوم، اقسام اور فوائد:

اختلافِ رائے دو الفاظ کا مرکب ہے، ایک اختلاف اور دوسرا رائے، لفظ اختلاف کا مادہ (خ،ل،ف) ہے جس کے معانی: خلاف ہونا، فرق، تفاوت[1]، ناموافقت کرنا، عداوت، بگاڑ، دشمنی، ضد اور تغیر و تبدل کے آتے ہیں[2]، احمد بن فارس القزويني فرماتے ہیں: (خلف) الخاء واللام والفاء أصول ثلاثة: أحدها أن يجيء شيء بعد شيء يقوم مقامه، والثاني خلاف قدام، والثالث التغير[3]-

امام راغب الاصفہانی اختلاف کا معنٰی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: والاختلافُ والمخالفة: أن يأخذ كلّ واحد طريقا غير طريق الآخر في حاله أو قوله، والخِلَاف أعمّ من الضّدّ، لأنّ كلّ ضدّين مختلفان، وليس كلّ مختلفين ضدّين، ولمّا كان الاختلاف بين النّاس في القول قد يقتضي التّنازع استعير ذلك للمنازعة والمجادلة[4]- اختلاف و مخالفہ کے معنی کسی حالت یا قول میں ایک دوسرے کے خلاف طریق کار اختیار کرنے کے ہیں اور خلاف کا لفظ ان دونوں سے عام ہے کیوں کہ ضدین کا مختلف ہونا تو ضروری ہوتا ہے مگر مختلفین کا ضدین ہونا ضروری نہیں ہوتا، پھر لوگوں کا باہم کسی بات میں اختلاف کرنا عموماً نزاع کا سبب بنتا ہے اس لیے استعارۃ اختلاف کا لفظ نزاع اور جدال کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ علامہ جرجانی فرماتے ہیں: منازعة تجري

---

[1] **فروز اللغات**، ص:52، فروز سنز لاہور۔

[2] مولوی سید احمد دھلوی، **فرہنگ آصفیہ** (1/45) مطبع رفاع عامہ پریس لاہور، 1326ھ، 1908ء۔

[3] القزويني، احمد بن فارس، **مقاييس اللغة** (2/ 210)

[4] راغب الاصفہانی، **المفردات في غريب القرآن** (ص: 294) دار القلم بیروت۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.3 2021

بين المتعارضين لتحقيق حقٍّ أو لإبطال باطل[1]۔یعنی اختلاف وہ آویزش ہے جو فریقین کے درمیان اثباتِ حق اور ابطالِ باطل کے لئے ہو۔علامہ طہ جابر فیاض العلوانی فرماتے ہیں: کسی کے احوال یا اس کی باتوں سے کوئی الگ راستہ اختیار کرنے کو اختلاف اور مخالفت کہتے ہیں[2]۔چنانچہ اختلاف کا معنیٰ ہوا: أن يذهب كل واحد إلى خلاف ما ذهب إليه الآخر، یعنی ہر ایک کا رائے کے اعتبار سے دوسرے کے برعکس ہونا۔

رائے کا مادہ(ر،ء،ی) ہے جس کے معانی: دیکھنا، سوچنا، خیال کرنا، دانست، عقل، تجویز، فہم، دانائی، خیال اور مشورہ کے آتے ہیں لہٰذا رائے یعنی نظریہ ہے[3]۔امام راغب اصفہانی رائے کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: والرأي: اعتقاد النفس أحد النقيضين عن غلب الظن[4]، دو مختلف چیزوں میں سے ایک کے اوپر ظن غالب کے ساتھ اعتقاد رکھنا۔ابن قیم الجوزی فرماتے ہیں: ما يراه القلب بعد فكر وتأمل وطب لمعرفة وجه الصواب مما تتعارض فيه الأمارات[5]،دو مخالف چیزوں میں صحیح کو جاننے کی خاطر غور و فکر کے بعد جس پر دل مطمئن ہو۔اور علامہ الباجی فرماتے ہیں: إدراك صواب حكم لم ينص عليه[6]، جس حکم کے بارے میں نص نہ آئی ہو اس میں صحیح کو پہچاننا رائے کہلاتا ہے۔

علامہ عبد الفتاح ابو غدہ فرماتے ہیں: هو صواب الحكم ورجحانه فيما لم ينص عليه[7]۔ایسی چیزیں جن میں نص نہ وارد ہوئی ہو ان میں صحیح کی پہچان کرنا اور حکم لگانا اختلافِ رائے کہلاتا ہے۔ادارہ دائرۃ معارفِ اسلامیہ میں اختلافِ رائے کی حقیقت کو یوں واضح کیا گیا ہے کہ اختلافِ رائے کا تفاوت اجماع کے مقابلے میں بولا جاتا ہے اور اس سے مراد علماءِ شرح واصول کی آراء کا وہ اختلاف ہے جو فقہی احکام وکلیات کی عملی تفصیلات میں ہو اور اس کی ضد میں ہو، خصوصا اول الذکر (یعنی فقہی معاملات) میں اس اختلاف سے مراد مذاہبِ اربعہ کا باہمی اختلاف ہے نیز وہ اختلاف ہے جو خود کسی مذہب کے اندر پایا جاتا ہے۔

---

[1] الجرجانی، علی بن محمد، **التعریفات** (ص: 101)، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان، 1403ھ، 1983ء۔

[2] العلوانی، طہ جابر، **اسلام میں اختلاف کے اصول و آداب** (ص: 23) مکتبہ الکتاب اردو بازار لاہور۔

[3] :مولوی سید احمد دھلوی، **فرھنگ آصفیہ** (2/449)

[4] راغب الاصفہانی، **المفردات في غريب القرآن** (ص: 374)

[5] ابن القيم، **إعلام الموقعين** (2/124)

[6] الباجي، **المنهاج في ترتيب الحجاج** (1/13)

[7] محمد عوانہ، **أدب الخلاف في مسائل العلم والدين** (1/15)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.3 2021

انسانی دنیا میں اختلاف کا پایا جانا ایک مسلمہ حقیقت ہے جس سے کسی طور بھی بچا نہیں جا سکتا اور یہ اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق میں ایک سنت بھی ہے چنانچہ لوگ اپنے رنگ و زبان، طبیعت و ادراک، معارف و عقول اور شکل و صورت میں باہم مختلف ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: {وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ، إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ[1]} اگر اللہ چاہتا تو لوگوں کو ایک امت بنا دیتا اور لوگ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گئے مگر جس پر آپ کا رب رحم فرمادے اور اسی کے لئے اس نے انہیں پیدا کیا۔ امام رازیؒ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہاں اختلاف سے مراد لوگوں کا دین و اخلاق اور افعال میں اختلاف ہے۔[2] اسی طرح مختلف امور و مسائل میں آراء کا مختلف ہونا ایک قدرتی امر ہے، مختلف وجوہ کی بنا پر آراء کا مختلف ہونا آپ ﷺ کی موجودگی میں اور اس کے بعد صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ کرامؒ میں موجود رہا، مشاورت کا عمل بھی اسی بات کا عکاس ہے کہ مختلف آراء کو سن کر کسی ایک بات پر پہنچا جائے، اختلاف و قیاس جیسے اہم امور میں بھی اختلافِ رائے کی وجہ سے مختلف نتائج اخذ کیے جاتے ہیں، اختلافِ رائے کا یہ معاملہ اگر مثبت انداز میں ہو تو قابلِ تحسین ہے اور آسانی کا باعث بنتا ہے اور اگر یہی منفی انداز میں ہو تو بہت سی مشکلات پیدا کر دیتا ہے، اسی بات کو علامہ سید ابوالاعلی مودودیؒ نے اس طرح واضح فرمایا کہ: " قرآن اس صحت بخش اختلاف رائے کا مخالف نہیں ہے جو دین میں متفق اور اسلامی نظام جماعت میں متحد رہتے ہوئے محض احکام و قوانین کی تعبیر میں مخلصانہ تحقیق کی بنا پر کیا جائے بلکہ وہ مذمت اس اختلاف کی کرتا ہے جو نفسانیت اور کج نگاہی سے شروع ہو اور فرقہ بندی اور نزاعِ باہمی تک پہنچا دے، یہ دونوں قسم کے اختلافات نہ اپنی حقیقت میں یکساں ہیں اور نہ اپنے نتائج میں ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہیں کہ دونوں کو ایک ہی لکڑی سے ہانک دیا جائے، پہلی قسم کا اختلاف تو ترقی کی جان اور زندگی کی روح ہے وہ ہر اس سوسائٹی میں پایا جائے گا جو عقل و فکر رکھنے والے لوگوں پر مشتمل ہو، اس کا پایا جانا زندگی کی علامت ہے، رہا دوسری قسم کا اختلاف تو دنیا جانتی ہے کہ اس نے جس گروہ میں بھی سر اٹھایا اس کو پراگندہ کر کے چھوڑا اس کا رونما ہونا صحت کی نہیں بلکہ مرض کی علامت ہے اس کے نتائج بھی کسی امت کے حق میں مفید نہیں ہو سکتے[3]۔

اختلاف کو تین قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: اختلافِ مذموم، اختلافِ ممدوح اور اختلافِ جائز۔ اختلافِ مذموم سے مراد ایسا اختلاف ہے جو قرآن، سنتِ رسول ﷺ، اجماعِ امت اور قیاس کے خلاف ہو چہ جائیکہ وہ اعتقادی مسائل میں ہو یا عملی مسائل میں ہو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: {وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ4} اور انہوں نے تفرقہ نہ ڈالا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آگیا، آپس

---

[1] ھود: 118، 119

[2] الرازی، فخر الدین، **مفاتیح الغیب** (18/410) دار احیائ التراث العربی بیروت، طبۃ الثالثۃ، 1420ھ۔

[3] ۔مودودی، سید ابوالاعلی، مقدمہ **تفہیم القرآن** (1/38) ادارہ ترجمان القرآن لاہور۔

[4] الشوری: 14

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.3 2021

کی ضد کی وجہ سے۔یعنی اگر واضح دلائل اور معرفت کے بعد بھی کوئی اختلاف کرتا ہے تو وہی اختلافِ مذموم ہے۔اسی طرح ایک دوسری جگہ پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: {أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا[1]} یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو وصیت کی کہ وہ اتحاد کا درس دیں اور فرقہ واریت اور اختلافات سے منع فرمایا ہے۔اختلافِ مذموم کی بہت سی صورتیں ہیں جن میں سے بعض بعض سے زیادہ قابلِ مذمت ہیں جیسا کہ ایمان اور کفر کا اختلاف چناچہ ارشاد باری تعالی ہے(هُوَ ٱلَّذِي خَلَقَكُمۡ فَمِنكُمۡ كَافِرٞ وَمِنكُم مُّؤۡمِنٞۚ[2])مومن اور کافر کا اختلاف انتہائی مذموم اختلاف ہے کیوں کہ جب اللہ کی طرف سے حق آگیا اور اس کے تمام متعلقات کو قرآن نے واضح کر دیا تو اب مزید کسی اختلاف کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ ہر انسان کو اس پر یقین کر کے اس کو ماننا چاہیے۔مسلمانوں کے اللہ کی واحدانیت اور آپ ﷺ کو خاتم النبیین ماننے کے بعد آپس میں مختلف وجوہات کی بناپر جو اختلافات ہوئے اور ہو رہے ہیں وہ بھی اختلافِ مذموم کے زمرے میں آتے ہیں جیسے مختلف فرقوں خوارج، شیعہ، معتزلہ، قدریہ وغیرہ کے باہمی اختلافات۔اسی طرح اہل سنت کا آپس میں تقلید اور عدم تقلید کی بنیاد پر فروعی مسائل میں جو اختلاف آج کل اپنے عروج پر ہے اور اس کے وجہ سے ایک دوسرے پر کفر اور فسق کے فتوے بھی لگائے جا رہے ہیں۔

اختلاف ممدوح یا محمود وہ اختلاف ہے جس میں اھلِ کتاب، مشرکین، فاسقین اور بے ادبوں کی ہیات وحالات اور ان کے تیواروں اور تقریبات کی مخالفت کرنا ہے، ایسی اور اس جیسی مخالفت قابلِ تعریف ہے اور شریعت میں ممدوح اور محمود ہی نہیں بلکہ شریعت کا مقصود بھی ہے۔چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے بہت سے معاملات میں یہود و نصاریٰ کی مخالفت کا حکم دیا ہے اور ان کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ارشاد نبوی ﷺ ہے:"عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ[3]" جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے اٹھایا جائے گا۔یہاں مشابہت سے مراد ہر قسم کی مشابہت ہے خواہ وہ اعتقادات میں ہو یا عبادات میں ہو یا تقریبات میں ہو، یا وضع قطع میں ہو، اس حدیث میں غیر مسلموں کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے جس کا مفہومِ مخالف یہ نکلتا ہے کہ ان کی مشابہت نہ اختیار کرو بلکہ ان کی مخالفت کرو۔اسی طرح یہود کی مخالفت میں آپ ﷺ نے محرم الحرام کی نویں اور دسویں دونوں تاریخوں کا روزہ رکھنا پسند فرمایا۔چنانچہ فرمایا: "عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ،"ذُكِرَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ عَاشُورَاءُ وَقِيلَ إِنَّهُ يَوْمٌ تَصُومُهُ الْيَهُودُ، وَتُعَظِّمُهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ: إِنْ عِشْنَا خَالَفْنَاهُمْ، وَصُمْنَا الْيَوْمَ التَّاسِعَ، قَالَ: وَقُبِضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ ذَلِكَ[4]"حضرت عبد اللہ

---

[1] الشوریٰ:13

[2] التغابن:2

[3] أبو داود، سنن(4/ 44)رقم الحدیث:4031.

[4] الشجري، يحيى بن حسين، الأمالي(2/ 112)رقم الحدیث:1787.

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.3 2021

بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ عاشوراء کے دن کی تعظیم کی وجہ سے یہودی اس دن روزہ رکھتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر ہم اگلے سال زندہ رہے تو ان کی مخالفت میں نویں تاریخ کا روزہ بھی رکھیں گے، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ: لیکن آپ ﷺ اگلے سال تک حیات نہ رہ سکے۔ ان احادیث اور ان جیسی دیگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود و نصاریٰ اور دیگر گمراہ گروہوں کے طور طریقوں کی مخالفت کرنا اسلام میں محمود سمجھا گیا ہے۔

جائز اختلاف اجتہادی مسائل میں مجتہدین یعنی فقہاء، محدثین، مفتیان کرام اور حکام کا اختلاف ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "عَنْ عَمْرِو بْنِ العَاصِ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «إِذَا حَكَمَ الحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ"[1] حاکم جب اپنے اجتہاد سے درست فیصلہ کر دے تو اسے دوہرا اجر ہے اور اگر فیصلہ میں چوک جائے تو اسے اکہرا اجر ہے[2]۔

جائز اختلاف کے بہت سے فوائد ہیں مثلاً اگر نیتیں صحیح ہوں تو ان سارے احتمالات کے جاننے کا موقع ملتا ہے جن میں کسی بھی رخ سے دلیل دینا ممکن ہو۔ اور ایسے اختلافات سے دینی ریاضت اور تبادلہ خیال کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے اور مختلف عقلیں جو مفروضات قائم کر سکتی ہیں ان پر غور و فکر کے دروازے کھل جاتے ہیں اور متعدد حل سامنے آجاتے ہیں جن سے در پیش مسئلہ میں اس سے دینِ فطرت کے مناسب حل کی طرف رہنمائی ہوتی ہے[3]۔ یہ سارے فوائد اسی صورت میں ممکن ہیں جب اختلافات اپنے ان آداب و حدود کے دائرے میں رہیں جن کی رعایت ہر حال میں ضروری ہے اگر وہ اپنی حدود سے تجاوز کریں اور ان کا لحاظ نہ کیا جائے تو وہ اختلاف جدال و شقاق میں تبدیل ہو جاتا ہے جس سے منفی اور برے نتائج سامنے آتے ہیں اور امت میں ایک نیا انتشار اٹھ کھڑا ہو جاتا ہے، تو ایسی صورت میں یہ اختلاف تعمیر کے بجائے تخریب کا سبب بن جاتا ہے۔

3-اختلافِ رائے کے اسباب:

اسبابِ اختلاف کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ اسبابِ اختلاف مذموم، اسبابِ اختلاف ممدوح و جائز۔

---

[1] البخاري، الجامع الصحیح (9/ 108) رقم الحدیث: 7352.

[2] ڈاکٹر صالح بن عبد اللہ حمید، **ادب الخلاف** (10/1-23)، والعلوانی، طہ جابر فیاض، **اختلاف کے اصول و آداب** (1/203-204)

[3] العلوانی، طہ جابر فیاض، **اختلاف کے اصول و آداب** (1/26)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.3 2021

اختلافِ مذموم کے بہت سے اسباب ہیں جن میں سے پہلا سبب ہے لالچ، انسان فطرتًا لالچی ہے کسی کو شہرت کی لالچ ہے کسی کو عزت کی لالچ ہے، کسی کو مال و دولت کی لالچ ہے، اسی طرح کسی کو جاہ منصب کی لالچ ہے، ہر انسان لالچی ہے لیکن لالچ اگر اچھی چیزوں میں ہو تو کوئی حرج نہیں لیکن لالچ اگر بری چیزوں میں ہو تو یہ ایک بری صفت ہے جس سے بچنا چاہیے اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرما: {أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ ، حَتَّى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ [1]} تمہیں حصولِ کثرت کی خواہش نے غفلت میں رکھا، یہاں تک کہ تم نے قبروں کی زیارت کر لی۔ یعنی انسان مرتے دم تک لالچی ہی رہتا ہے اور زیادتی کا طالب ہوتا ہے اور اسی زیادتی کے چکر میں وہ صحیح و غلط، جائز و ناجائز کا فرق بھی بھول جاتا ہے۔ اور ایک سبب یہ ہے کہ انسان اپنی اوقات بھول جاتا ہے اپنی حد پار کر دیتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ نافرمان ہو جاتا ہے اور حق و سچ والوں سے اختلافات شروع کر دیتا ہے اور سمجھتا ہے کی اس کی زندگی ہے اس کا جسم ہے وہ جو مرضی کرے کوئی اس کو روکنے ٹوکنے کا حق نہیں رکھتا، اسی پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: {وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ[2]} واضح دلائل کے آجانے کے بعد بھی وہ صرف آپس میں ضد کی وجہ سے اختلاف کرتے ہیں۔ اور آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "وَإِنَّ اللهَ أَوْحَى إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوا حَتَّى لَا يَفْخَرَ أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ، وَلَا يَبْغِي أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ[3]" کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی کی کہ تم تواضع اختیار کرو یہاں تک کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور کسی سے ضد نہ کرے۔ اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: قال البخاری: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الجَرَّاحِ إِلَى البَحْرَيْنِ يَأْتِي بِجِزْيَتِهَا، وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ صَالَحَ أَهْلَ البَحْرَيْنِ، وَأَمَّرَ عَلَيْهِمُ العَلاَءَ بْنَ الحَضْرَمِيِّ، فَقَدِمَ أَبُو عُبَيْدَةَ بِمَالٍ مِنَ البَحْرَيْنِ، فَسَمِعَتِ الأَنْصَارُ بِقُدُومِ أَبِي عُبَيْدَةَ، فَوَافَتْ صَلاَةَ الصُّبْحِ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا صَلَّى بِهِمُ الفَجْرَ انْصَرَفَ، فَتَعَرَّضُوا لَهُ، فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ رَآهُمْ، وَقَالَ: «أَظُنُّكُمْ قَدْ سَمِعْتُمْ أَنَّ أَبَا عُبَيْدَةَ قَدْ جَاءَ بِشَيْءٍ؟» ، قَالُوا: أَجَلْ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: «فَأَبْشِرُوا وَأَمِّلُوا مَا يَسُرُّكُمْ، فَوَاللَّهِ لاَ الفَقْرَ أَخْشَى عَلَيْكُمْ، وَلَكِنْ أَخْشَى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، فَتَنَافَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ[4]» اختلافِ مذموم کا ایک سبب جہالت اور کم علمی بھی ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ کسی بارے میں علم نہ ہونے یا کم علمی کی وجہ سے ایک دوسرے سے اختلافات رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کے دست و گریباں ہوتے ہیں جبکہ وہی بات جب علماء اور

---

[1] التکاثر: 1، 2

[2] البقرۃ: 213

[3] الإمام مسلم، الجامع الصحیح (4/ 2198) رقم الحدیث: 64 - (2865)

[4] إمام بخاري، الجامع الصحیح (4/ 96) رقم الحدیث: 3158.

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.3 2021

صاحب علم لوگوں کی مجالس میں رکھی جاتی ہے تو اس میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا اور قیامت کی نشانیوں میں سے بھی ایک نشانی علماء کا اٹھ جانا ہے اور جہالت کا عام ہو جانا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے قیامت کی نشانیاں بتاتے ہوئے فرمایا: «إِنَّ اللَّهَ لاَ يَنْزِعُ العِلْمَ بَعْدَ أَنْ أَعْطَاكُمُوهُ انْتِزَاعًا، وَلَكِنْ يَنْتَزِعُهُ مِنْهُمْ مَعَ قَبْضِ العُلَمَاءِ بِعِلْمِهِمْ، فَيَبْقَى نَاسٌ جُهَّالٌ، يُسْتَفْتَوْنَ فَيُفْتُونَ بِرَأْيِهِمْ، فَيُضِلُّونَ وَيَضِلُّونَ[1]» اسباب اختلاف میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ اھل بدعت مختلف مقاصد کی بنا پر لوگوں کو اپنی بدعت کی طرف دعوت دیتے ہیں اور لوگ ان کی باتوں سے متاثر ہو کر ان کے ساتھ ہو جاتے ہیں اور جو لوگ حق پر ہوتے ہیں ان کے ساتھ اختلاف کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: قال البخاري: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى، حَدَّثَنَا الوَلِيدُ، قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ جَابِرٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي بُسْرُ بْنُ عُبَيْدِ اللَّهِ الحَضْرَمِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو إِدْرِيسَ الخَوْلاَنِيُّ، أَنَّهُ سَمِعَ حُذَيْفَةَ بْنَ اليَمَانِ يَقُولُ: كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُونَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الخَيْرِ، وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ مَخَافَةَ أَنْ يُدْرِكَنِي، فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا كُنَّا فِي جَاهِلِيَّةٍ وَشَرٍّ، فَجَاءَنَا اللَّهُ بِهَذَا الخَيْرِ، فَهَلْ بَعْدَ هَذَا الخَيْرِ مِنْ شَرٍّ؟ قَالَ: «نَعَمْ» قُلْتُ: وَهَلْ بَعْدَ ذَلِكَ الشَّرِّ مِنْ خَيْرٍ؟ قَالَ: «نَعَمْ، وَفِيهِ دَخَنٌ» قُلْتُ: وَمَا دَخَنُهُ؟ قَالَ: «قَوْمٌ يَهْدُونَ بِغَيْرِ هَدْيِي، تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتُنْكِرُ» قُلْتُ: فَهَلْ بَعْدَ ذَلِكَ الخَيْرِ مِنْ شَرٍّ؟ قَالَ: «نَعَمْ، دُعَاةٌ إِلَى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ، مَنْ أَجَابَهُمْ إِلَيْهَا قَذَفُوهُ فِيهَا» قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، صِفْهُمْ لَنَا؟ فَقَالَ: «هُمْ مِنْ جِلْدَتِنَا، وَيَتَكَلَّمُونَ بِأَلْسِنَتِنَا» قُلْتُ: فَمَا تَأْمُرُنِي إِنْ أَدْرَكَنِي ذَلِكَ؟ قَالَ: تَلْزَمُ جَمَاعَةَ المُسْلِمِينَ وَإِمَامَهُمْ، قُلْتُ: فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةٌ وَلاَ إِمَامٌ؟ قَالَ «فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الفِرَقَ كُلَّهَا، وَلَوْ أَنْ تَعَضَّ بِأَصْلِ شَجَرَةٍ، حَتَّى يُدْرِكَكَ المَوْتُ وَأَنْتَ عَلَى ذَلِكَ[2]» اور نوویؒ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: (دعاة على أبواب جهنم من أجابهم إليها قذفوه فيها) قال العلماء هؤلاء من كان من الأمراء يدعو إلى بدعة أو ضلال آخر كالخوارج والقرامطة وأصحاب المحنة[3]۔ اور آج کل کے زمانے میں مستشرقین اور اعداء اسلام اس حدیث کے زمرے میں آتے ہیں۔ اختلاف کے اسباب میں سے ایک اہم سبب تعصب بھی ہے اور یہ سبب آج کل بہت زیادہ پایا جاتا ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کے لوگ آج مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں یہ گروہ بندی دینی مسلکی بنیادوں پر ہو یا سیاسی بنیادوں پر لوگ اپنے مخالفین سے شدید اختلاف رکھتے ہیں اور اکثر اختلاف کی وجہ تعصب ہی ہوتا ہے، اور یہ تعصب ایسی بری بیماری ہے کہ بہت دفع بندہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ میں غلطی پر ہوں اور فریق ثانی حق پر ہے لیکن تعصب کی وجہ سے مانتا نہیں ہے۔ اسبابِ خلاف میں سے ایک

---

[1] إمام بخاري، الجامع الصحيح(9/ 100) رقم الحديث:7307.

[2] إمام بخاري، الجامع الصحيح(4/ 199) رقم الحديث:3606.

[3] النووي، أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف، المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج، دار إحياء التراث العربي–بيروت، الطبعة الثانية، 1392۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.3 2021

سبب حسد بھی ہے، مشرکینِ مکہ عرب ہونے کی وجہ سے قرآن کو سمجھتے تھے اور ان کو پتہ تھا کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے لیکن پھر بھی اسلام نہیں لاتے تھے صرف حسد کی وجہ سے، اسی طرح علماء یہود ونصاریٰ بھی سمجھتے تھے کہ آپ ﷺ نبی بر حق ہیں لیکن مانتے نہیں تھے صرف حسد کی وجہ سے، اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں یوں بیان کیا ہے: {حَسَدًا مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ [1]}اور اسی طرح بنی اسرائیل کے بارے میں فرمایا: { أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَى مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا[2]} چنانچہ آج بھی ہمارے معاشرے میں لوگ دوسروں سے صرف حسد کی بنا پر اختلاف کرتے ہیں اگرچہ فریق مخالف حق پر ہی کیوں نہ ہو۔ اور اسبابِ اختلاف میں سے ایک اہم سبب تکبر بھی ہے، تکبر کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے کی بات نہیں مانتے اور اختلاف کرتے ہیں-3۔

اختلاف ممدوح اور اختلاف جائز کے بھی اسباب ہیں۔ اختلاف جائز کے اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں جن کے بارے میں دلیل قطعی وارد نہیں ہوئی ہے بلکہ دلیل ظنی ہے جس میں غور و فکر اور اجتہاد کرنے کی گنجائش موجود ہوتی ہے، چنانچہ مجتہدین حضرات اپنے اصولوں اور اپنی ذہنی سطح کی بنا پر ان دلائل میں خوب غور و فکر کر کے کوئی حکم لگاتے ہیں اور چوں کہ ہر انسان ذہنی سطح کے اعتبار سے دوسرے سے مختلف ہے تو اس بنا پر مجتہدین کے احکامات کے اندر اختلاف پایا جاتا ہے، جب کے دونوں کا مقصد صحیح اور صواب بات تک پہنچنا ہوتا ہے۔ اختلاف جائز کے اسباب میں سے ایک سبب سمجھ بوجھ میں تفاوت ہے اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کو سمجھنے کی صلاحیت ایک جیسی نہیں دی ہے بلکہ بعض کو بعض سے زیادہ سمجھ بوجھ کی صلاحیت سے نوازا ہے جس کی وجہ سے ایک آدمی کی سمجھ میں جو بات آتی ہے دوسرا وہ سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے جس کی وجہ سے دونوں کے درمیان اختلاف ہو جاتا ہے۔ اختلاف جائز کے اسباب میں سے یہ بھی ہے کہ بعض لوگوں کے پاس وسائل زیادہ ہوتے ہیں جس کی وجہ سے وہ ان وسائل کو استعمال میں لاتے ہوئے مسائل کو زیادہ احسن طریقہ سے سمجھ جاتے ہیں جبکہ دوسرے بعض کے پاس وسائل کم ہوتے ہیں تو وہ اس بات کو اس طریقہ سے نہیں سمجھ پاتے۔ اور بھی بہت سے اسباب ہیں لیکن طولت کے خوف سے انہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

4-اختلاف رائے کے آداب کا فروغ اور اسلامی ریاست کا کردار:

---

[1] البقرۃ: 109

[2] النساء: 54

[3] الشیخ یاسر بن حسین برھامی، **ادب الخلاف** (1/9)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.3 2021

احمد بن فارس الازدیؒ فرماتے ہیں: (أدب) الهمزة والدال والباء أصل واحد تتفرع مسائله وترجع إليه: فالأدب أن تجمع الناس إلى طعامك. وهي المأدبة[1]- مولانا سید احمد دھلوی فرماتے ہیں: ادب اسم مذکر، لغوی معنیٰ ہر چیز کی حد کو نگاہ رکھنا، پسندیدہ طریقہ، خلق، سلیقہ وغیرہ کے آتے ہیں اور آداب جمع ہے ادب کی جس کے معنیٰ ہیں: وہ عمدہ تربیت یافتہ ہو گیا، وہ طریقے جن سے بڑوں کی بڑائی اور چھوٹوں کی چھوٹائی ثابت ہو-[2]-قَالَ أَبُو زَيْدٍ الْأَنْصَارِيُّ الْأَدَبُ يَقَعُ عَلَى كُلِّ رِيَاضَةٍ مَحْمُودَةٍ يَتَخَرَّجُ بِهَا الْإِنْسَانُ فِي فَضِيلَةٍ مِنْ الْفَضَائِلِ[3]، وقال الحافظ ابن حجر العسقلاني: الْأَدَبُ اسْتِعْمَالُ مَا يُحْمَدُ قَوْلًا وَفِعْلًا وَعَبَّرَ بَعْضُهُمْ عَنْهُ بِأَنَّهُ الْأَخْذُ بِمَكَارِمِ الْأَخْلَاقِ وَقِيلَ الْوُقُوفُ مَعَ الْمُسْتَحْسَنَاتِ وَقِيلَ هُوَ تَعْظِيمُ مَنْ فَوْقَكَ وَالرِّفْقُ بِمَنْ دُونَكَ وَقِيلَ إِنَّهُ مَأْخُوذٌ مِنَ الْمَأْدُبَةِ وَهِيَ الدَّعْوَةُ إِلَى الطَّعَامِ سُمِّيَ بِذَلِكَ لِأَنَّهُ يُدْعَى إِلَيْهِ[4]-

اختلافِ رائے کے آداب کی بہت زیادہ اہمیت ہے ہم میں سے اکثر لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اگر کوئی ہم سے بحث و مباحثہ کرے یا ہم کسی سے بحث و مباحثہ کریں تو دوسرا ہماری بات کو غور سے سنے اور آداب کا مکمل خیال رکھے لیکن اگر اسی چیز کو ہم اپنے اندر دیکھیں تو ہم میں سے اکثر لوگ دورانِ بحث عقل سے کام لینا بھول جاتے ہیں اور غصہ ہم پر غالب آ جاتا ہے، اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے اداروں میں اختلافِ رائے کے آداب و اخلاقیات کے درس و تدریس کا اہتمام کریں اور اس کی عملی مشق بھی کروائیں تا کہ یہ چیز ہماری نئی نسلوں کی عادت بن جائے، اور ساتھ ساتھ عبادت بھی بن جائے۔ عبادت بایں معنیٰ کہ اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہے اور عادت بایں معنیٰ کہ جب ایک بچے کی تربیت ہی اس پر ہو گی اور اس کو اس کی عملی مشق بھی کروائی جائے گی تو یہ اس بچے کی فطرت و طبیعت ہو جائے گی جس پر عمل کرنے اور اس کو برتنے میں اسے کسی قسم کی تکلیف و زحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑھے گا۔ باہمی گفتگو کے آداب کی ضرورت ایک حاکم کو بھی ہے اور ایک عام آدمی کو بھی، حاکم کو اس لئے تا کہ رعیت اور رعایا کے حقوق کی وہ حفاظت کر سکے حتیٰ کہ ان لوگوں کے حقوق کی بھی جو اس سے اختلاف رکھتے ہیں ، جیسے ہمارے پیارے نبی ﷺ نے سب کے حقوق کی حفاظت فرمائی حتیٰ کہ مکہ کے جانی دشمن مشرکین اور مدینہ کے سخت ترین دشمن یہود و نصاریٰ اور منافقین کے حقوق کی بھی حفاظت فرمائی۔ اور آپ ﷺ اپنے اصحاب کے معاملہ میں تو بہت زیادہ اس کا اہتمام کرتے تھے، آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے اصحاب نے آپ ﷺ کے اس معمول و دستور کا پورا پورا لحاظ و پاس رکھا یہاں تک کے دشمنانِ اسلام مسلمانوں کی شکل و صورت اپنا کر اسلام میں داخل ہو گئے اور انہوں نے مسلمانوں کے باہم اختلافات کو ہوا دی۔ ان آداب و اخلاق کی ضرورت ایک استاد کو

---

[1] أحمد بن فارس الأزدي، مقاييس اللغة(1 / 74)

[2] دھلوی، سید احمد، فرھنگ آصفیه (1 / 49)

[3] الفیومی، احمد بن محمد، المصباح المنير في غريب الشرح الكبير(1 / 9)

[4] ابن حجر، فتح الباري(10 / 400)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.3 2021

ہوتی ہے تاکہ وہ کلاس میں اپنے شاگردوں کی اختلافی آراء کو صبر و تحمل کے ساتھ سن سکے اور ان کا حل نکال سکے۔ان آداب و اخلاق کی ضرورت ایک باپ کو بھی ہوتی ہے تاکہ اولاد کے لیے وہ محبوب ہو اور وہ اولاد کے درمیان انصاف کر سکے اور انکی بہتر تربیت کر سکے، کیوں کہ آج جو ہمارے بچے ہیں کل کسی کے بڑے ہوں گئے۔ غرضیکہ ان آداب کی ضرورت معاشرے کے ہر فرد کو ہے، اگر معاشرہ ان آداب کا لحاظ کرنا شروع کر دے تو معاشرے کے نوے فیصد جگڑے ختم ہو سکتے ہیں۔ فکر اسلامی کے پس منظر میں اختلاف رائے کی اخلاقیات کے مختلف پہلوں کا تجزیہ ذیل کی سطور میں پیش کیا جاتا ہے

آدابِ اختلاف میں سے پہلا ادب یہ ہے کی آدمی اپنے اندر اخلاص پیدا کرے وہ جو کام بھی کرے صرف اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے کرے، امام بخاریؒ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف الجامع الصحیح کے اندر سب سے پہلے اس حدیث کو ذکر کیا جس کے اندر اخلاص نیت کا ذکر ہے، فرمایا: «إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا، أَوْ إِلَى امْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا، فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ[1]» انسان جو بھی کرتا ہے اس کا دارومدار نیت پر ہوتا ہے اگر ایک آدمی پوری رات نوافل اور پورا سال روزے رکھتا ہے اور بقرہ عید پر مہنگا ترین جانور قربان کرتا ہے لیکن اس میں اخلاص نہیں ہے اور اس سب کے پیچھے اس کی نیت یہ ہے کہ لوگ مجھے نیک آدمی سمجھیں اور میری تعریف ہو کے یہ آدمی کتنا نیک ہے تو اس کی ان تمام عبادتوں کا ذرہ برابر بھی کوئی فائدہ نہیں اور ماسوائے نیند کے ختم ہونے اور مال کے ضیاع کے اسے کوئی اجر نہیں ملے گا، جبکہ دوسرا آدمی صرف رمضان کے فرض روزے رکھتا ہے اور فرض نمازیں ادا کرتا ہے اور اس سے اس کی نیت خالص حصول رضائے الٰہی ہے تو یہ شخص اللہ کے ہاں زیادہ محبوب ہے، اس لئے اخلاص ایک بہت ہی اہم عبادت ہے اگر ہم کسی سے کسی بارے میں اختلاف کرتے ہیں اور ہماری نیت حصول رضائے الٰہی ہے تو یہ اختلاف اللہ کی طرف سے ایک رحمت بن جائے گا اور یہ بہت فائدہ مند ہو گا اور اگر ہمارے اندر اخلاص نہیں ہے تو ہمارا اختلاف عذاب بن جائے گا اور یہ بہت سی ناراضگیوں اور رنجشوں کا سبب بنے گا، اسی لئے ہمیں چاہیے کہ ہم جو کام بھی کریں اخلاص نیت کے ساتھ کریں2۔

آدابِ اختلاف میں سے دوسرا اور اہم ادب اتباع سنت ہے اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو ہمارے لئے نمونہ بنایا ہے، چنانچہ فرمایا: {لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ[3]} چنانچہ ہمیں چاہیے کے ہم جو کام بھی کریں اس میں آپ ﷺ کی اتباع کریں، اگر ہم کسی سے کسی مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں تو ہمیں دیکھنا چاہئے کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے جب لوگوں سے اختلاف کیا تو آپ ﷺ نے کون سا طریقہ

---

[1] البخاري، الجامع الصحيح(1 / 6) رقم الحديث: 1.

[2] عائض بن عبد الله القرني، الخلاف أسبابه وآدابه(1 / 38) الناشر: الكتاب منشور على موقع وزارة الأوقاف السعودية بدون بيانات.

[3] الأحزاب: 21

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.3 2021

استعمال کیا اور ہمیں بھی اسی طریقہ پر چلنا چاہئے-1۔ چناچہ آپ ﷺ کو یہ تعلیم سکھلائی گئ "ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ[2]، اور اسی طرح فرمایا "وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ[3]۔ آج کل ہم جب کسی سے بحث و مباحثہ کرتے ہیں تو ہمارا صرف ایک ہی مقصد ہوتا ہے کہ مد مخالف ہار جائے اور اس کی لوگوں کے سامنے بے عزتی ہو اور لوگ میری واہ واہ کریں اور کہیں کے یہ کتنی علمی شخصیت ہے، جو کہ انتہائی بری بات ہے، اس کے بر عکس ہمارے ذہن میں حق بات تک پہنچنا ہمارا مقصد ہونا چاہئے اور اسی طرح مد مخالف تک حق پہنچانا ہمارا مقصد ہونا چاہیے اور اگر غلطی پر ہیں تو ہمیں مخالف کی بات ماننی چاہئے اور اگر مد مخالف غلطی پر ہے تو اس کے حق کو قبول کرنے کی تمنا ہمارے دل میں ہونی چاہیے۔ آج اختلافات کے بڑھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہماری خواہش ہوتی ہے کہ دوسرا ہماری سنے اور ہم اس کی نہیں سن رہے ہوتے اور اسی طرح کا رویہ دوسرے کا بھی ہوتا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اختلافات ختم ہونے کے بجائے اور بڑھ جاتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم دوسروں کے دلائل و براہین کو غور سے سنیں پھر اپنے دلائل پیش کریں اور اپنی بات رکھیں، اگر اس طریقے سے بحث و مکالمہ ہو گا تو بہت جلد ہم کسی نتیجہ تک پہنچ جائیں گئے۔ بسا اوقات ہمارے پاس کوئی دلائل نہیں ہوتے اور ہم ادھر ادھر کی فضول باتیں کر رہے ہوتے ہیں جو بہت بری بات ہے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے دعوے پر دلائل پیش کریں اور دوسرے کے دلائل کو علمی دلائل سے رد کریں اور اگر کوئی دلیل نہ ہو تو خاموشی سے اس کی بات سنیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: {قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ4}اسی طرح دوسرے مقام پر فرمایا: {قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ[5]} اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔ شور و غل کرکے اور دوسرے کو برا بھلا کہہ کر کبھی بھی اختلاف کو ختم نہیں کیا جا سکتا، اگر اختلاف ختم کرنا ہو اور آپ کو معلوم ہو کہ مد مخالف غلطی پر ہے تو آرام سے اور پیار و محبت اور نرمی سے اس کی بات کو جھٹلانا چاہیے[6]۔ قرآن کریم نے ہمیں جو طریقہ بتلایا ہے وہ یہ ہے کہ تواضع کے ساتھ دوسروں کی باتوں کو جھٹلایا جائے، چنانچہ قرآن

---

[1] عائض بن عبد الله القرني، الخلاف أسبابه وآدابه (1 / 40)

[2] النحل 125

[3] العنکبوت: 46

[4] الأنعام: 148

[5] البقرة: 111

[6] عائض بن عبد الله القرني، الخلاف أسبابه وآدابه (1 / 45)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.3 2021

کریم میں اھل ایمان کفار سے کہتے ہیں: { وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلَى هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ[1]} یا تو ہم ھدایت پر ہیں یا تم ھدایت پر ہو۔ہمیں معلوم ہے کہ ایمان والے ہی ھدایت پر ہیں لیکن اس کے باوجود یہ طریقہ اختیار کیا گیا کیوں کہ یہ کسی کی بات کو جھٹلانے کا بہترین اسلوب ہے۔

سب سے پہلے وہ باتیں جن کے درمیان فریقین متفق ہیں اور ان کے درمیان کسی قسم کا فریقین کے درمیان اختلاف نہیں ہے ان کو دوسری باتوں سے الگ کر لینا چاہیے، اس کے بعد وہ باتیں جن میں افضل و غیر افضل کا اختلاف پایا جاتا ہے ان کو بھی الگ کر لیا جانا چاہیے، اس کے بعد بہت کم ایسے مسائل رہ جائیں گئے جن میں اختلاف پایا جاتا ہے چنانچہ فریقین کو دلائل کی روشنی میں ان کا کوئی حل نکالنا چاہئے۔ آج ہم فوراًا یک دوسرے پر کفر کے فتوے لگا لیتے ہیں اور بات کی گہرائی تک نہیں جاتے جس کی وجہ سے اختلافات میں کمی کے بجائے اضافہ ہو رہا ہے۔ ہمیں دوسروں سے اختلاف کرتے وقت اپنے آپ کو دوسروں کی جگہ رکھ کر سوچنا چاہیے کہ اگر میں اس کی جگہ ہوتا اور وہ مجھ سے ایسے لہجہ میں باتیں کرتا تو کیا میں برداشت کر سکتا تھا، اگر جواب نہیں میں ملے تو پھر ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے لہجہ کو تبدیل کر کے اس لہجہ میں بات کریں جو ہم اپنے لئے پسند کرتے ہیں[2]۔ آپ ﷺ کا مبارک ارشاد ہے: «لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ، حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ[3]» کہ تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل ایمان والا نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے وہ نہ پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ آج اگر صرف اس ایک حدیث کے اوپر عمل ہو جائے تو ہمارے اختلافات میں کبھی بھی جگڑے کی نوبت نہ آئے، اختلاف کرنے والوں کو ایک دوسرے کو لعن طعن نہیں کرنا چاہیے اور اپنے آپ کو بہت بڑا عالم اور دوسرے کو جاہل نہیں سمجھنا چاہیے، اور اپنے آپ کو قطعی طور پر دوسرے سے اچھا، مضبوط ایمان والا، وسیع علم اور پختہ عقل والا نہیں سمجھنا چاہیے۔ یحیٰ ابن سعیدؒ فرماتے ہیں: «مَا بَرِحَ الْمُسْتَفْتُونَ يُسْتَفْتَوْنَ فَيُحِلُّ هَذَا وَيُحَرِّمُ هَذَا فَلَا يَرَى الْمُحَرِّمُ أَنَّ الْمُحَلِّلَ هَلَكَ لِتَحْلِيلِهِ وَلَا يَرَى الْمُحَلِّلُ أَنَّ الْمُحَرِّمَ هَلَكَ لِتَحْرِيمِهِ[4]» فتویٰ دینے والوں سے فتویٰ و مسائل کا سوال ہمیشہ ہوتا رہا اور وہ جواب دیتے رہے ایک نے ایک چیز کو حلال اور دوسرے نے اسی چیز کو حرام کہا لیکن حرام کہنے والے نے یہ نہیں سمجھا کہ حلال کہنے والا اس وجہ سے تباہ ہو گیا اور نہ حلال کہنے والے نے یہ گردانا کہ حرمت کا فتویٰ دینے والا اس کی وجہ سے برباد ہو گیا۔ مطلب یہ کہ ہمیں بھی اسلاف کے طریقہ پر عمل کرنا چاہیے اور فوراًا یک دوسرے کے خلاف غلیظ زبان استعمال نہیں کرنی چاہیے بلکہ صبر و

---

[1] سبأ: 24

[2] عائض بن عبد الله القرني، الخلاف أسبابه وآدابه (1 / 55)

[3] البخاري، الجامع الصحيح (1 / 12) رقم الحديث: 13.

[4] ابن عبد البر، جامع بيان العلم وفضله (2 / 903)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.3 2021

تحمل سے کام لینا چاہیے اور آداب کا لحاظ ہر صورت رکھنا چاہیے۔ بحث و مباحثہ اور اختلافات میں کبھی بھی انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "ثلاثة من جمعهن فقد جمع الإيمان:الإنفاق من الإقتار، والإنصاف من النفس، وبذل السلام للعالم[1] جو آدمی تین باتوں کو جمع کرے وہ ایمان کو جمع کر لیتا ہے، اپنے آپ سے انصاف، عالم کے لئے سلام، بخل کے موقع پر خرچ۔ انصاف بڑا پسندیدہ خلق ہے جو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ تم درپیش معاملات میں دوسروں کو اپنی جگہ رکھو اور سمجھو، انصاف یہ ہے کہ فریقِ مخالف کے پاس جو حق و صواب ہو اسے قبول کرنا چاہیے خواہ فریق مخالف بدعتی، فاسق یا کافر ہی کیوں نا ہو۔ شیخ عبد الرحمن سعدیؒ فرماتے ہیں: اگر کوئی عالم اھل بدعت کی باتوں سے متعلق گفتگو کرے تو اس پر لازم ہے کے وہ ہر ذی حق کے حق کا لحاظ کرے اور ان کی باتوں میں جو حق اور جو باطل ہے اس کو واضح کرے اور ان کی باتوں میں حق سے قرب و بعد کا خیال رکھے[2]۔ اختلاف کے دوران انسان کے پاس سب سے بہترین ہتھیار صبر کا ہوتا ہے اگر وہ اس ہتھیار کو دورانِ اختلاف استعمال کرتا ہے تو وہ اس اختلاف کو مفید بنا سکتا ہے اور اگر دوران اختلاف وہ صبر و تحمل سے کام نہیں لیتا اور اس کا غصہ اس پر غالب آجاتا ہے تو وہ شخص حق پر ہوتے ہوئے بھی ناحق ہوتا ہے اور بجائے اختلاف کے ختم کرنے کے مزید اختلافات کا سبب بنتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: {وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ[3]} نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، آپ نیک برتاؤ سے برائی کو ٹال دیا کیجئے، پھر یکایک آپ میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہو جائے گا جیسے کوئی دلی دوست۔ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی آپ کے ساتھ برائی کرے تو بدلے میں آپ کو اس کے ساتھ برائی نہیں بلکہ اچھائی سے پیش آنا چاہئے اور آپ ﷺ کا طریقہ بھی یہی تھا آپ ﷺ نے اپنے سخت سے سخت دشمن سے بھی بدلا نہیں لیا بلکہ فتح مکہ کے موقع پر تو آپ نے ان سب کو معاف کر دیا تھا جنہوں نے آپ ﷺ کی دشمنی میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔

اسلامی ریاست کا نظام حکومت قانون کے بجائے اخلاقی قدروں کا متقاضی ہوتا ہے اور مقاصد کے حصول کے لیے حکومت آئین و قانون اور انتظام کے ساتھ جب تک اخلاقی اقدار کو اجاگر نہیں کرتی تو کبھی بھی مثبت نتائج بر آمد نہیں ہو سکتے۔ اسلامی ریاست میں جہاں عوام کے کردار اور ذمہ داریوں کو واضح کیا گیا ہے وہاں ریاست کے سربراہ اور حاکم کی ذمہ داریوں اور کردار کی بھی وضاحت کی ہے تا کہ معاشرہ میں بیلنس قائم رہے اور ہر دو فریق اپنی ذمہ داریوں سے اچھے طریقہ سے عہدہ براء ہو سکیں حکومت کی ذمہ داریوں کو تو اس آیت کریمہ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ ﴿الَّذينَ إِن مَكَّنّٰهُم فِى الأَرضِ أَقامُوا الصَّلوٰةَ وَءاتَوُا الزَّكوٰةَ وَأَمَروا بِالمَعروفِ وَنَهَوا عَنِ المُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ

---

[1] البیھقی، شعب الإیمان(1 / 151) رقم الحدیث: 48.

[2] سعدی، عبد الرحمن، تفسیر سعدی(1/280) سورت الانعام، الآیۃ: 152۔

[3] فصلت: 34

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.3 2021

عقِبَةُ الأُمورِ[1]﴾"یہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو سرزمین میں اقتدار بخشیں گے تو وہ نماز کا اہتمام کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے روکیں گے اور انجام کار کا معاملہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے"۔

دوسرے مقام پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ﴿وَلتَكُن مِنكُم أُمَّةٌ يَدعونَ إِلَى الخَيرِ وَيَأمُرونَ بِالمَعروفِ وَيَنهَونَ عَنِ المُنكَرِ ۚ وَأُولٰئِكَ هُمُ المُفلِحونَ[2]﴾ "اور چاہئے کہ تم میں ایک گروہ ایسا ہو جو نیکی کی دعوت دے، معروف کا حکم کرے اور منکر سے روکے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"۔

مذکورہ آیات کو جو شخص بھی کھلے ذہن کے ساتھ پڑھے گا اُسے معلوم ہوجائے گا کہ اسلامی حکومت ہر 'معروف' کا حکم دینے اور ہر 'منکر' سے روکنے کے لیے قانون بنانے کا اختیار رکھتی ہے۔ قرآن مجید میں یہ دونوں چیزیں معروف اور منکر 'عام' استعمال ہوئے ہیں اور ان کو 'خاص' نہیں کیا جاسکتا۔ یوں نہیں کہا جاسکتا کہ اسلامی حکومت بعض معروف کا حکم دے سکتی ہے اور بعض کا نہیں دے سکتی، کیونکہ خود قرآن نے اس کی کوئی تحدید یا تخصیص نہیں کی۔ البتہ قاعدہ یہی ہے کہ اسلامی حکومت نماز اورزکوٰۃ سمیت ہر 'معروف' کام کا حکم پہلے اخلاقی طور پر تعلیم و تبلیغ اور ترغیب و تلقین کے ذریعے دے گی۔ اس کے نتیجے میں اگر لوگ خوشی سے اور رضاکارانہ طور پر معروف کی پابندی کرلیں گے تو قانون ان سے کوئی تعرض نہیں کرے گا، لیکن اگر اس کے باوجدجو لوگ 'معروف' پر عمل نہیں کریں گے تو اسلامی حکومت قانون کی طاقت سے اُن کو 'معروف' کا پابند کرے گی،کیونکہ قرآن کی رُو سے جس طرح جرائم کے خاتمے اور منکرات کے سدِباب کے لیے اسلامی ریاست وسیع اختیارات رکھتی ہے، بالکل اسی طرح 'معروف' کی پابندی کرانے کے لیے بھی اُسے ویسے ہی وسیع اختیارات حاصل ہیں۔یاد رکھئے شریعت کے تمام اَوامر و نواہی کے بارے میں اسلامی ریاست کا یہی دستور العمل ہے،کیونکہ وہ محض واعظ اور ذاکر نہیں ہوتی بلکہ دنیا کی ہر حکومت کی طرح صاحبِ اِختیار و اقتدار حکمران ہوتی ہے[3]۔اسلامی نظام حکومت کا بنیادی عنصر اس بات کی طرف مشیر ہےکہ ریاست مدینہ کا قیام روزِ اول سے ہی اس اصول پر طے ہوا تھاکہ چاہے مسلمانوں کے آپس میں معاملات ہوں یا یہود کے ساتھ معاملات ،فیصلہ کرنے کا اختیار رسول اللہ ﷺ کو ہی حاصل ہو گا اور ہر فریق کو اسے من وعن تسلیم کرنا ہو گا اور اختلافِ آراء کے موقع پر آپ ﷺ کا طرز عمل ہمارے سامنے واضح ہے کہ جب ایک موقع پر انصار نے یا للانصار اور مہاجرین نے یا للمھاجر کا نعرہ لگایا تو آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا دعو ھا ان ھا منتنۃ اسے چھوڑ دو یہ ایک بدبودار نعرہ ہے۔

---

[1] الحج:41

[2] آل عمران:104

[3] افکار، ریاستی نظم وضبط میں حکام اور عوام کی ذمہ داریاں، جولائی-دسمبر 2017، جلد:1، شمارہ:2

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.3 2021

اور عوام الناس کی ذمہ داریوں کی طرف اس آیت کریمہ میں اشارہ فرمادیا ہے(یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا۠) اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اُسے اللہ و رسول کے حضور رجوع کرو اگر اللہ و قیامت پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا-لہذا عوام الناس کی پہلی ذمہ داری سمع وطاعت ہے یعنی شریعت کے دائرہ میں جو بھی حکم ملے اسے سننا، اطاعت کرنا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے اور حدیث پاک میں بھی اسی بات کا حکم دیا گیا ہے ارشاد ہے" السمع والطاعة فی العسر والیسرو المنشط والمکرہ[1]' تنگی وآسانی، خوشی وناخوشی ہر حال میں بات کا سننا اور ماننا ضروری ہے۔ اور کوئی ایسا قانون جو اسلامی تعلیمات کے منافی ہو اس میں اطاعت نہیں کی جائے گی اسی لیے آپ ﷺ کا ارشاد ہے السمع والطاعة علی المرء المسلم فیما احب وکرہ، ما لم یؤمر بمعصیة فلا سمع ولاطاعة[2] مسلمان آدمی پر سننا اور اطاعت کرنا اس وقت تک واجب ہوتا ہے جب تک اسے اللہ کی نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے خواہ اسے پسند ہو یا نہ ہو۔ کس کس کی اطاعت واجب ہے اس کے بارہ میں بھی آپ ﷺ نے راہنمائی فرمادی ہے: عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ □ أَنَّهُ قَالَ أَلاَ كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَالأَمِيرُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَ هُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَ هُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُمْ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ بَعْلِهَا وَ وَلَدِهِ وَ هِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ وَالْعَبْدُ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ وَ هُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُ أَلاَ فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ[3]-سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" تم میں سے ہر شخص حاکم ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہو گا (حاکم سے مراد منتظم اور نگراں کار اور محافظ ہے) پھر جو کوئی بادشاہ ہے وہ لوگوں کا حاکم ہے اور اس سے اس کی رعیت کا سوال ہو گا (کہ اس نے اپنی رعیت کے حق ادا کیے، ان کی جان ومال کی حفاظت کی یا نہیں؟) اور آدمی اپنے گھر والوں کا حاکم ہے اور اس سے ان کے بارے میں سوال ہو گا اور عورت اپنے خاوند کے گھر کی اور بچوں کی حاکم ہے، اس سے اس کے بارے میں سوال ہو گا اور غلام اپنے مالک کے مال کا نگران ہے اور اس سے اس کے متعلق سوال ہو گا۔ غرضیکہ تم میں سے ہر ایک شخص حاکم ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیت کا سوال ہو گا۔" عوام الناس کو جہاں اخلاقی تعلیمات کی ضرورت ہوتی ہے وہاں کچھ ایسے قوانین، ضابطے اور طریقے بھی طے کیے جاتے ہیں کہ ایسے مواقع پر امن وامان اور نظم وضبط قائم رہ سکے کیوں کہ خلاف ورزی اور بدنظمی کی صورت میں نہ صرف یہ کہ مطلوبہ مقاصد کا حصول

[1] البخاری محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الاحکام، باب: کیف یبایع الامام الناس

[2] البخاری محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب: السمع والطاعة للامام

[3] البخاری محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الاحکام، باب: قول اللہ تعالی اطیعو اللہ واطیعو االرسول واولی الامر منکم

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.3 2021

مشکل اور ناممکن ہو جاتا ہے بلکہ بسا اوقات ناقابل تلافی نقصان کا باعث بنتا ہے۔ عوام الناس کو قانون کا پابند بنانے کے لیے ترغیب و ترھیب کے دونوں طریقوں کو اپنانا ہو گا اور جو شخص قانون کی خلاف ورزی کرے تو اس کے خلاف مناسب تادیبی کاروائی بھی ضروری ہے دنیا کا کوئی بھی قانون سزا کے بغیر موثر ثابت نہیں ہو سکتا اسی طرح شریعت اسلامیہ میں بھی جزا و سزا کے تصور کو بنیادی حثیت حاصل ہے لیکن ان تعزیرات کا شریعت اسلامیہ کی بنیادی تعلیمات سے موازنہ ضرور کر لینا چاہئے کہ کس حد تک ان کی اجازت ہے اس سے تجاوز نہ ہونے پائے۔ عدل و انصاف کہ یہ تقاضے سب کے لیے برابر ہیں کسی کو کسی قسم کا استثناء حاصل نہیں۔ لہذا ہر دو فریق حاکم اور رعایا کو اپنی ذمہ داریوں اور فرائض سے آگاہی ضروری ہے تاکہ معاشرہ افراط و تفریط سے پاک ہو۔ اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ آزادئ اظہار ایک بنیادی انسانی حق ہے رائے قائم کرنا، رائے ظاہر کرنا اور رائے تبدیل کرنا اس حق کے مختلف پہلو ہیں اور آزادی اظہار کا معیار یہ ہے کہ اپنے ضمیر کی روشنی میں صحیح مقام پر اپنی حقیقی رائے کا اعلان بلا خوف و خطر کیا جائے۔ کیونکہ کسی بھی صحتمند ریاست و باکردار معاشرہ میں جب باصلاحیت افراد ہوں تو افکار کا تنوع اور آراء میں اختلاف کا پایا جانا ایک لابدی امر ہوتا ہے اور یہ اس قوم و ملک کی ترقی کا زینہ ہے مگر اس میں حدود و قیود کی رعایت اور اظہار رائے کی ایسی آزادی جس سے کسی فرد و قوم کی دل آزاری ہو اس کی کسی حال میں بھی اجازت نہیں حتی کہ کسی عصبیت کے نعرہ کی گنجائش بھی نہیں رکھی گئی۔ ریاست کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ وحدت کلمہ اور یگانت کے لیے ہر اس بات کو جو باعث انتشار ہو اس کو احسن طریقہ سے روک دیا جائے آزادئ اظہار رائے کی حدود واضح کی جائیں تاکہ آزادی اظہار کو بہانہ بنا کر لوگ حدود سے تجاوز نہ کریں اور یہ عمل انتہائی خطرناک نتائج کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے خواہ ریاست کی طرف سے ہو یا عوام کی طرف سے مثلاً ریاست لوگوں کو ملک دشمن یا غدار کے الزامات لگا کر اپنے سیاسی مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے انھیں آزادئ اظہار سے روکنے کی کوشش کرے۔ دوسری طرف عوام الناس آزادئ اظہار کی آڑ میں ملکی سلامتی کو ہی داؤ پر لگا دیں، یا لوگوں پر کفر و شرک کے فتوے لگانا شروع کر دیں۔ اسی لیے مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے "فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول[1]" اور ہر وہ رائے جو اختلاف تک پہنچانے والی ہو اس کا ترک کرنا مسلمان معاشرہ پر لازم ہے کیونکہ اختلافات سے اور لوگوں کے درمیان باہمی منافرت، ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگانا، ایک دوسرے کو سب و شتم کرنا وغیرہ سے ریاست کے اندر بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں جو بڑھتے بڑھتے آخر کار خانہ جنگی کی صورت اختیار کر لیتی ہیں، اور ریاست کو تباہ کر دیتی ہیں جیسا کہ اسلام کے خلافتِ بنو امیہ اور خلافتِ بنو عباس کے دور میں مسلمانوں کے درمیان مذھبی اور سیاسی اختلافات کی بنیاد پر بہت سے معرکے ہوئے اور بہت خون بہایا گیا، امام احمد بن حنبلؒ اور دوسرے بڑے بڑے علماء کو سخت تریں سزائیں دی گئی۔ آج بھی مذہبی اختلافات کی وجہ سے آئے روز کہیں نا کہیں جگڑے ہوتے رہتے ہیں، اسی طرح سیاسی اختلافات کی وجہ سے الیکشن میں کتنے لوگ ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے ہیں اور کتنی جگھوں پر بات قتل و غارت تک پہنچ جاتی ہے۔ اس لئے حکومت کو چاہئے کہ وہ لوگوں کے اختلافات کو کنٹرول کرنے کے لئے اپنی ذمہ داری کو سمجھے اور اس پر خود بھی اور لوگوں کو بھی سختی سے عمل کروائے، ذیل میں چند نکات پیش کئے جاتے ہیں جن پر عمل کر کے لوگوں کے درمیان اختلافات کو کم کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] النساء:59

حکومت کو چاہیۓ کہ وہ ایسے ادارے بنائے جہاں اختلافِ رائے کے آداب کا درس دیا جائے اور اس کی عملی مشق کروائی جائے تا کہ لوگ شائستگی، رواداری اور صبر و تحمل سے ایک دوسرے کی بات کو سنیں اور اپنی رائے کا اظہار کریں اور دوران اختلاف اپنی حد پار نہ کریں۔ جذباتیت اور سطحیت کی فضاء کو بدلا جائے، عدم برداشت کی ممکنہ وجوہات کا ادراک کر کے اس کے حل کی کوششیں کی جاہیں، حکومت کو چاہیۓ کہ وہ آدابِ اختلاف کو نصاب میں شامل کرے اور غیر نصابی سرگرمیوں میں بزم ادب کی طرح اس کی بھی عملی مشق کروائی جائے۔ حکومتی افراد کو خود لوگوں کے سامنے دورانِ اختلاف صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا چاہیۓ تا کہ لوگوں میں اس کے مثبت اثرات مرتب ہوں۔ خاص ادارے بنائے جائیں جہاں ہر فرقے کے علماء کرام کو جمع کیا جائے جو آپس کے متفق علیہ مسائل اور ایسے مسائل جن کے اندر صرف افضلیت و غیر افضلیت کا اختلاف اور ایسے مسائل جن کے درمیان شدید اختلاف پایا جاتا ہے ان سب کو الگ الگ کریں اور پھر قرآن و سنت اور موجودہ حالات کے پیشِ نظر ان اختلافات کا حل تلاش کیا جائے اور حل کرنے کے بعد الیکٹرونک میڈیا، پرنٹ میڈیا اور سوشل میڈیا کے ذریعے ان کو عام کیا جائے اور عام لوگوں تک پہنچایا جائے اور مساجد میں بھی اختلافی مسائل پر خطبات دینے پر پابندی لگائی جائے اور اس کی جگہ حل شدہ مسائل کو لوگوں کے سامنے بیان کرنے کا پابند بنایا جائے ریاست مختلف فرقوں اور طبقوں کے مابین ہم آہنگی پیدا کرنے میں اپنا کردار ادا کرے، مطالعے کا رجحان بڑھایا جائے، لائبریری کلچر کو حکومتی اور سماجی بنیادوں پر قائم کرنے کی کوشش کی جائے۔ امن عامہ، برداشت، ہم آہنگی اور کتب بینی کے حوالے سے مختلف سیمینارز کا انعقاد کیا جائے، فلاحی اداروں اور مقامی حکومتوں کی ترجیحات میں یہ سب شامل کریں البتہ تعلیم کے فروغ کو ہر لحاظ سے ترجیح ہو کیونکہ عظیم رہنما نیلسن منڈیلا کا ایک مشہور قول ہے "تعلیم وہ واحد ہتھیار ہے جس کا استعمال کر کے معاشرے کو بدلا جا سکتا ہے۔"

5- خلاصہ بحث:

اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ انسانی سماج میں رائے کا مختلف ہونا ایک فطری عمل ہے جس سے بچنا ممکن نہیں ہے، دینی و دنیاوی دونوں قسم کے معاملات میں بہت سے مسائل ایسے آتے ہیں جن میں آراء مختلف ہوتی ہیں اس لیے کے ہر انسان اپنا دماغ رکھتا ہے جس سے وہ سوچتا ہے اور ایک نظریہ قائم کرتا ہے اور ہر انسان کے اپنے افکار نظریات اور تخیلات ہوتے ہیں اور یہ محال ہے کہ ہر انسان دوسرے انسان کے تمام خیالات سے متفق ہو جائے اور اسکی ہر بات کو من و عن تسلیم کر لے، آراء کا مختلف ہونا ایک فطری عمل ہے اور اسے زندہ قوموں کی علامت بھی بتلایا جاتا ہے۔ اس لیے اگر اختلاف اخلاص، اخلاق اور آداب کے دائرہ میں رہ کر کیا جائے تو بہت مستحسن عمل ہے اور یہ رائے کا اختلاف فی نفسہ کوئی برا اور ناپسندیدہ عمل نہیں ہے بلکہ اس اختلاف کے نتیجہ میں ایک دوسرے سے رقابت کرنا، کینہ رکھنا، بغض کرنا، ایک دوسرے کی تذلیل کرنا، پھوٹ ڈالنا اور آپس میں نفرت کے جذبات کو پروان چڑھانا یہ مذموم عمل ہے اور بات بھی ظاہر ہے کہ اختلاف رائے رکھنے والے سب ایک ہی سطح کے لوگ نہیں ہوتے بعض اہل علم اور آداب کو پہچاننے والے ہوتے ہیں اور بعض کم علم اور نادان ہوتے ہیں جو آداب اختلاف سے ناآشنا ہوتے ہیں جس کی وجہ سے معمولی نوعیت کے اختلافات بھی بعض دفعہ بڑے نزاع اور فتنہ کا باعث بن جاتے ہیں لہٰذا ایسی صورت حال میں ارباب حل و عقد یعنی ریاستی اداروں اور ان سے منسلک افراد کی یہ ذمہ داری ہے کہ جہاں ایسے اختلافات ابھر رہے ہوں وہ ان کی بروقت تشخیص کریں اور ان اسباب و عوامل کو سمجھیں اور ان کے تدارک کی طرف متوجہ ہوں۔